شاہ ولی اللہ کا فلسفہ

حصہ اوّل

مبادیات ، اخلاقیات

مصنف :۔ ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ

مترجم :۔ سید محمد سعید

تعارف

حضرت قطب الدین احمد ولی اللہ المعروف بہ شاہ ولی اللہ ابن عبدالرحیم الدہلوی ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بہ مطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔

پانچ برس کے سن میں وہ ایک ابتدائی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ سات برس کی عمر میں وہ درس قران مجید سے فارغ ہوئے اور فارسی ادب و عربی قواعد پڑھنا شروع کئے۔ پندرہ برس کے سن تک انہوں نے وہ نصاب تعلیم ختم کرلیا جو ان کے زمانہ میں اعلیٰ تعلیم سے وابستہ تھا۔ اور جس میں منطق، فلسفہ علم ہیئت، طب، ریاضی قانون اصول قانون (فقہ) علوم حدیث و تفسیر شامل تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کیا یہ ادارہ ان کے والد نے قائم کیا تھا اور ان ہی کے نام نامی شاہ عبدالرحیم سے موسوم تھا۔ اور وہ بھی وہاں ایک معلّم تھے۔

شاہ عبدالرحیم اپنے زمانے کے بڑے جیّد عالم تھے۔ وہ معروف فلسفی مرزا محمد زاھد ہروی کے بڑے ذہین شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کو عالم روحانیت 'ESOTERIC REALM' میں بھی اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ اور اس حقیقت کا اظہار ان حالات سے بھی ہو جاتا ہے۔ جو شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیف انفاس العارفین میں تحریر فرمائے ہیں۔

اپنے لڑکے کا تعلیمی نصاب ترتیب دینے کے سلسلے میں شاہ عبدالرحیم نے نہ صرف ان کی ذہنی ترقی اور دینی علم کا خیال رکھا بلکہ روحانی ارتقاء کی طرف بھی خاص توجہ دی اور ان کو باضابطہ روحانی تربیت سے روشناس کرایا۔ اس طرح ظاہری علوم کو سیکھنے کے علاوہ شاہ ولی اللہ نے روحانیت میں بھی کمال حاصل کیا اور روحانی مدارج طے کئے۔ دو برس معلمی کرنے کے بعد اپنے والد کی وفات کے وقت شاہ ولی اللہ نے ان سے دوسروں کو روحانی راہ پر چلانے کی ہدایت اور تلقین کرنے کی اجازت حاصل کی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء سترہ سال کی عمر میں وہ اپنے والد کی مسند پر مدرسہ اور خانقاہ دونوں میں متمکن ہوئے۔

۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۱ء میں وہ حجاز تشریف لے گئے جہاں انہوں نے چودہ مہینے قیام کیا علوم دینی بالخصوص حدیث و فقہ (قانون اور اصول قانون JURISPRUDENCE LAW) کا علم ایسے ممتاز علماء جیسے ابوطاہر الکردی، وفداللہ المکی، اور تاج الدین القلعی سے حاصل کیا۔ اس وقت ان کی ملاقات بلادِ اسلامیہ کے مختلف باشندوں سے ہوئی۔ اور ان سے ان کے علاقوں کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل کیں۔

عمیق علم اور اعلیٰ فہم و فراست پر دسترس پانے کے بعد جو ایک مجدّد کی بنیادی نشانیاں ہیں شاہ ولی اللہ نے اپنے زمانے کے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا (مجدّد قانون کو اس طرح پیش کرتا یا نئی تشکیل دیتا ہے، کہ قانون اپنی پرانی بنیاد کو قائم رکھتے ہوئے وقت کے جدید حالات اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے) اپنی روحانی صلاحیتوں کی قوت کی بناء پر انہیں یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہ آنحضرت صلعم سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، اس لئے معرفت (علم و ہدایت) اور دوسری برکتوں کے حامل تھے جن کی بناء پر انہیں جسارت ہوئی کہ وہ اویسی اور وصی کا خطاب لے لیں (وصی وہ ہے جو مذہب کے ثبوت کو ذہنی اور عقلی بنیادوں سے سمجھتا ہے۔ اور روحانی بنیادوں پر بھی جانتا ہے اور جس کا تعلق روح نبویؐ سے ہدایت اور تعلیم کے لئے ہے)

۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۳ء میں دہلی واپس پہنچنے پر انہوں نے اپنے سابقہ فرائض سنبھالے اور اپنا زیادہ وقت بے شمار کتابوں کے لکھنے میں صرف کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۹ر محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۰ر اگست ۱۷۶۲ء میں ان کی وفات ہو گئی۔ ان کے زمانے میں سلطنت مغلیہ آہستہ

آہستہ زوال پذیر تھی انہوں نے کم از کم دس بادشاہوں کے عہد دیکھے تھے، اور ہندوستانی معاشرہ میں تیزی سے تبدیلیاں ہوتی دیکھیں، جب کہ نئی قوتیں اور نئے حالات پرانی تنظیموں کو للکار رہے تھے، وہ صرف ان امور ہی سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے جو ہندوستان میں رونما ہو رہے تھے بلکہ حجاز میں بھی جو کچھ انہیں دوسرے ممالک کے بارے میں علم ہوا تھا؛ وہ بھی ان کے دماغ پر اثرانداز تھا۔ اکبر کے عہد سے یورپی تاجر، ہندوستان میں آنے لگے تھے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے وقت سے بکثرت آرہے تھے اور کمپنی ان کے زمانے میں نہایت مستحکم ہو چکی تھی۔

شاہ ولی اللہ کا علم جو ان کی معلومات تجربے اور ذاتی تعلقات پر قائم تھا اور جس میں ان کی گہری فہم و فراست اور روحانی ادراک نے اضافہ کر دیا تھا ان کی قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، تاریخ اور سیاست وغیرہ سے متعلق تصانیف سے نمایاں ہوتا ہے۔ انیس کتابوں کی جو فہرست بروکلمن نے دی ہے، اس میں کم و بیش ہیں اور کتابوں کے اضافے کی ضرورت ہے، جو مابعدالطبیعات، تصوف، فلسفہ مذہب وغیرہ پر ہیں اور جن کا ذکر ان کے سوانح نگاروں نے کیا ہے۔

ان کے اپنے قول کے مطابق وہ اپنے علم و فضل کا معمولی حصہ ہی اپنی تصانیف میں پیش کر سکے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ وہ فاتح، ہیں یعنی ایک نئے دور کے افتتاح کرنے والے ہیں یا ایسے شخص ہیں کہ جس کی آمد ایک نئے دور سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اور وہ شخص آیندہ دور کے اسرار کی کنجی بھی رکھتا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں وہ اپنے نظریۂ مستقبل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہیں دنیا، روحانی روشنی سے منور نظر آتی ہے، جس کی شعاعیں مغرب پر بھی پڑ رہی ہیں۔ وہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ انہیں بارگاہِ الٰہی سے لکھنے کا اشارہ ہوا ہے۔ تاکہ نئے مسائل جو کہ مغرب سے مشرق کی طرف آنے والے افکار کا نتیجہ ہیں کا حل پیش کر سکیں نیز ان ضرورتوں کی تکمیل کے طریقوں کا انکشاف کریں جو کہ سائنس کے فروغ اور نئی دریافتوں کے سبب سے وجود میں آتی ہیں اور جو نئی روشنی کے افکار کا حاصل ہیں انہوں نے دیکھا کہ ان سے قبل کوئی بھی ان اعلیٰ اخلاقیات اور گہرے روحانی علوم کو جو ان کے دور میں تسلیم شدہ تھے اور طریق روحانیت متعین کرتے تھے باضابطہ ترتیب دینے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اس لئے انہوں نے ان کو ایسے مبادیات کے مطابق مرتب کیا جو ایک عام ذہن کے لئے قابل فہم ہوں یہ شاہ ولی اللہ ہی تھے کہ جنہوں نے پہلی مرتبہ ایسے اصول قائم کئے کہ جن پر ترقی کے مدارج 'مزاج انسانی کی کاملیت اور عالم انسانیت میں ایک جسم کل کی طرح مزاج انسانی کے تنوع کو سمجھا جا سکتا ہے اس طرح' موصوف نے ان نظاموں کے اصول بھی مقرر کئے جو کہ مختلف مابعد الطبیعاتی کائناتوں اور کائنات مادہ سے ان روابط پر کارفرما ہیں۔

جہاں تک کہ اخلاقیات، حکمت العملیہ، کی اصطلاح کے عام مفہوم اور فلسفۂ مذہب، اسرار و مصالح الاحکام، سے تعلق ہے شاہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کے مقابلہ میں کسی دوسرے نے ان کو زیادہ ٹھوس بنیادوں پر استوار نہیں کیا اور اسی لئے ان علوم میں انکی نظر اپنے پیش روؤں سے وسیع تر اور زیادہ ہمہ گیر تھی۔

ان کے طریقہ کے مطابق عقل روایت سے مصالحت کرنے کے لئے پیدا نہیں کی گئی ہے جیسا کہ الغزالی کے طریقے میں ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ ان کا طریقہ نہ صرف عقل اور روایت کے درمیان بلکہ ان دونوں کے درمیان اور وجدان یا ادراک باطنی سے ہم آہنگی پر بھی مبنی ہے، اس لئے وہ زور دیتے ہیں کہ ان کو عقل اور وجدان دونوں سے تقویت پہنچتی ہے، جہاں پر کہ انسانی ذہن کے اندرونی حصے اور صحیح و صحت مند مذاق" اذواق السلیم" کی بنیادیں ہیں نیز ان کو نقل (روایت، تعلیمات قرآن اور پیغمبروں کی تعلیم؛ اور دوسری نمایاں ہستیوں کی تعلیم اور انسانی معاشروں کی تاریخ سے بھی تقویت پہنچتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کے دعوے کہاں تک صحیح ہیں ؟ کا اندازہ اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ ان کی تصانیف کے مواد اور ان کی تعلیمات کا مفصل اور گہرا مطالعہ نہ کیا جائے۔ مگر ایک چیز یقینی ہے کہ اپنے وسیع علم اور عمیق فہم کی بنا پر وہ رو سو اور انیسویں صدی کے علمائے عمرانیات کے پیش رو تھے اور ان سے قبل حیاتیات، نفسیات، عمرانیات اور اخلاقیات کا امتزاج اور باہمی رشتہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے یہ دوسری بات ہے کہ ان کے خیالات ان کے بعد کے مصنفین سے کہاں تک ہم آہنگ ہیں۔ مسلم فکر کی تاریخ میں ان کی حیثیت کے علاوہ ان کے نظام کا مطالعہ، عمرانیات اور اخلاقیات کے جدید طلبار کے لئے بھی دلچسپی سے

خالی نہیں ہوگا۔

اب تک اس غیر معمولی مصنف پر بہت کم کام کیا گیا ہے۔ بہت کم علماء نے ان کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ان کے تصورات کے اصولوں کو اخذ کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی زندگی میں صرف چار یا پانچ آدمی ایسے تھے جو ان کے شاگردوں ہی کے حلقے میں تھے اور ان کے نظام کو سمجھنے کے اہل سمجھے جاتے تھے ان میں سب سے بڑے عالم شیخ محمد عاشق تھے، جنہیں شاہ ولی اللہ نے اپنی تصانیف کے مسودات تیار کرنے کے کام پر مامور کیا تھا اور جن کو اپنے علوم پڑھانے کی پوری ذمہ داری بھی سونپی تھی یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے تصورات کے متعلق بھی کوئی تصنیف چھوڑی ہے یا نہیں۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد، ان کے بیٹے ان کے تصورات کے خاص مفسر تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے، شاہ رفیع الدین کی مختصر کتاب "تکمیل الاذہان" اور ان کی دوسری تحریروں میں جو منتشر تبصرے ہیں تصورات ولی اللہ کی تفسیر و تشریح کے باب میں یہ اولین اقدام ہے۔ یہ کتاب اور یہ تبصرے حالانکہ مابعد الطبیعاتی مسائل اور کچھ اعلیٰ اخلاقیات کے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، اس کتاب کے پہلے چار ابواب میں شاہ ولی اللہ کی منطق کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور آخری باب اختلاف نظریات کے اصول استنباط پر ہے۔

بعد میں ان کے پوتے محمد اسمٰعیل ابن عبدالغنی ابن ولی اللہ نے اپنا مقالہ "عبقات" شاہ ولی اللہ کے تصورات وحدانیت "وحدت الوجود" اور "تجلی" پر لکھا۔ جس میں وہ دو اور مفکر اور مسلم رہبروں ابن العربی اور احمد سرہندی کے نظریات کا مجموعہ پیش کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں محمد قاسم مدرسہ دیوبند (۱۸۶۶ء) کے بانی اپنے زمانہ میں شاہ ولی اللہ کے خیالات کے عظیم ترین مفسر تھے۔ انہوں نے اردو میں بہت سے رسالے چھوڑے ہیں جو ان کے زمانے کے محض دینیاتی مسائل کی بحثوں سے متعلق ہیں، ان کی تصانیف پر شاہ ولی اللہ کے خیالات کے صاف اثرات نمایاں ہیں، جن کو وہ کبھی کبھی نہایت وضاحت سے پیش کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ تصانیف علمی نقطہ نظر سے اہم ہیں، لیکن ان میں سے ایک بھی جدید ذہن کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں، تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ علامہ عبیداللہ سندھی کی شخصیت میں شاہ ولی اللہ

کے تصورات کا جدید نقطۂ نظر سے تجزیہ و تشریح کرنے والا منظرِ عام پر آیا۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا مطالعہ، عظیم محدث شیخ الہند محمود الحسن فقیہہ رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر مفکرین کے ساتھ کیا۔ بدقسمتی سے وہ شاہ ولی اللہ پر دوسری کتابیں نہیں لکھ سکے۔ ان کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" ان کے شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ مگر یہ عام قاریوں کی بہ نسبت ماہرین اور خواص کے لئے زیادہ مفید ہے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ اردو میں ایک مختصر مگر جامع بیان ہے خاص طور پر ان مسائل سے تعلق رکھتا ہے جن کا مطالعہ وہ لوگ کرتے ہیں جو کہ تفسیر و حدیث، فقہ، اور اسلامی قانون کے ضابطہ کے علوم کے ماہر ہیں۔ جدید قاریوں کے لئے عوام الناس کا فلسفہ مذہب جو کہ انہوں نے اذکار میں پیش کیا ہے اور ان عوام کا تاریخی جائزہ جو کہ شاہ ولی اللہ کی روایات سے تعلق رکھتے ہیں اور حزب ولی اللہ کی تاریخ کے متعلق ان کی کتاب میں ہے جو کہ شاہ ولی اللہ کے تصورات اور ان کی شخصیت پر سب سے زیادہ مفید روشنی ڈالتی ہے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کسی اور نے شاہ ولی اللہ کے خیالات کے ان پہلوؤں پر اس انداز میں بحث نہیں کی جیسی اس کتاب میں کی گئی ہے اس مقالہ کے موضوع کی تعریف اور مطالعہ سے قبل یہ بہتر ہوگا کہ ہم شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے عام طرزِ تحریر پر بحث کریں

جیسا کہ ان کی تصانیف کی فہرست سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ بہت زیادہ لکھنے والے تھے مگر ان کی تصانیف کو پڑھتے وقت، جدید قاری کو ان کے مباحث کا عام رجحان سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے، طالب علم کے لئے پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے ان کی اہم تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے تمام ہمہ گیر نظام فکر کا عام اندازہ لگائے۔ ان کی کوئی ایک تصنیف بھی ان کا پورا نظام سامنے نہیں لاتی، مگر ان کے نظام سے متعلق سابقہ علم کے بغیر ان کے اظہارات کے پورے پورے معنی سمجھنا مشکل ہے ان کے فلسفیانہ نظریات اور عمرانی تصورات ان کے دور سے بہت آگے ہیں، لہذا انہیں بہت سی اصطلاحات کو وسیع تر معنوں میں استعمال کرنا پڑا جن معنوں میں کہ وہ عام طور پر سمجھی جاتی ہیں، اصطلاحات کے علاوہ جن کو انہوں نے وضع کیا ہے وہ اظہارات بھی ہیں جن کو انہوں نے اپنے مخصوص معنوں میں استعمال کیا۔

اس مشکل کے علاوہ جو شاہ ولی اللہ کی اصطلاحات سے جدید قاری کے سامنے آتی ہیں، ایک اور بڑی مشکل بھی ہے جو شاہ ولی اللہ کے طرزِ فکر سے پیدا ہوتی ہے اور جس سے جدید ذہن بالکل ناآشنا ہے، ان کی بہت سی تحریریں فکر کی بجائے وجدان کا نتیجہ ہیں یہ شاید اس حقیقت کی بدولت ہے کہ ان کے وسیع علم کا مخرج اور جیسا کہ خود ان کا دعویٰ ہے اور اس دعوے کی تصدیق انکے سوانحی بیانات سے بھی ملتی ہے جو ان کی وجدانی قوت اور وور رس معرفت میں ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو اس طرح حاصل کیا ہوا علم جب عام دلیل کے دائرے اور ٹھوس اظہار میں منتقل کیا جائیگا تو سمجھنے کے لئے پیچیدہ اور مشکل ہوگا نہ صرف اس وجہ سے بھی کہ ان کے خیالات کا رجحان اس سے بہت مختلف ہے جس کے جدید قاری عادی ہیں یہ معاملہ ہر اس مفکر کے سلسلے میں پیش آتا ہے جو روحانی اثر رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اپنے علم کو اعلیٰ وجدان اور باطنی ادراک سے حاصل کرتا ہے اور یہ کہ نادیدہ کا تصور اور جسے عقلی نقطۂ نگاہ سے ناقابل فہم قرار دیا جاسکتا ہے سب سے پہلے ان کے سامنے آتا ہے اور پھر وہ اپنی فکر کی منزلوں کے دوران دیدہ اور قابل فہم کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔

ذہنِ جدید کا طرز فکر اس سے بالکل متضاد ہے۔ جدید قاری کے لئے مقابلتاً یہ آسان ہے کہ وہ اس دلیل کو بخوبی سمجھ لے جو کہ دیدہ سے نادیدہ کی طرف اور معلوم سے نامعلوم کی طرف گامزن اور اس سے اس کے طرز فکر کی راہ متعین ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف شاہ ولی اللہ کا طرز استدلال دور جدید کے عقلیت پسند مصنفین کے مقابلہ میں روحانیت پسندوں کے متعلق ہے اس طرح جدید قاری کے لئے ان تحریروں میں ان کے دلائل کے اجزاء وہ ہیں جہاں اعلیٰ تر کائناتوں کی بابت مابعد الطبیعیاتی تصورات سامنے آتے ہیں۔ اور انسانی روح کی زندگی کے ترقی یافتہ مدارج کے بیان میں ان کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

ان کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہے کہ انہیں، وسیع میدان گھیرنے کے حوصلے نے خیالات کی وسعت وسیع اور [illegible] جزئیات پر آنے سے دور کر دیا۔

لہذا ان کا عربی اور فارسی طرز تحریر مختصر اور جامع، مبہم اور پر لطف ہے نہ کہ واضح اور وسیع ہوتا ہے۔

ان موضوعات کے علاوہ جن سے ان کی تصانیف کو خاص سروکار رہے ہیں ان تصانیف میں بہت سا مواد دوسرے موضوعات کے متعلق ملتا ہے جن کو انہوں نے بالواسطہ بیان کیا ہے اس طرح ان موضوعات کا پھیلاؤ جو کہ ان کی تصانیف کی روشنی میں واضح کیا جا سکتا ہے بہت وسیع ہے اور یہ براہ راست فلسفہ مذہب سے متعلق موضوعات کو اور اوران موضوعات کو بھی، جو عمرانی علوم کے دائرے میں آتے ہیں احاطہ کرتا ہے اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کی تصانیف کا مکمل مطالعہ ابواب میں تقسیم کئے بغیر اور مخصوص نقطہ ہائے نظر متعین کئے بغیر کیا جا سکے۔

اس مقالہ کے لئے شاہ ولی اللہ کے اصول اخلاقیات اور عملی دینیات کو منتخب کیا گیا ہے اخلاقیات کو ان کے نظام فکر میں اہم مقام حاصل ہے جیسا کہ ان کے اخلاقیات ان کے فلسفہ مذہب کی ضروری بنیاد ہیں۔ انہوں نے اخلاقیات سے جو مقصد لیا ہے اس مقالہ کے پنجم اور ششم ابواب میں ان کی مکمل وضاحت کردی گئی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہ کا تصور اخلاقیات تمام انسانیت کا احاطہ کرتا ہے۔ اور اس لئے ان کا اخلاقی نظام خاص طور پر اخلاقی طرز عمل کے اصولوں پر مشتمل ہے، جو ذہن ضمیر کی داخلی حالت اور فرد، معاشرے اور تمام انسانیت کی بہبودی کی طرف مائل ہیں اس طرح اخلاقی اصول، علم نفسیات اور علم عمرانیات سے خاص طور پر متعلق ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے تصور نیکی اور خاص طور پر سات اخلاقِ فاضلہ کے تصور کو سمجھنے کے لئے نفسیات کے اصولوں سے کچھ واقفیت لازمی ہے اس طرح ان کے عمرانی علم سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ ان کی معاشرتی رسوم اور اخلاقی اصولوں کے مباحث کے پس منظر کو سمجھا جا سکے۔ اس وجہ سے اس مقالہ کے الگ الگ حصوں میں اختصار کے ساتھ ان کی نفسیات، عمرانیات کی بھی وضاحت کی گئی ہے ان کے اخلاقی نظام پر اس کے مکمل ارتقا کو خیال میں رکھتے ہوئے بحث کرنے کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ ان کے مابعد الطبیعاتی نظام کا بیان بھی شامل کیا جائے مگر اس سے مقالہ کی بے جا طوالت میں اضافہ ہو جائے گا اور اسی لئے ان کے اخلاقیات کے متوازی مابعد الطبیعاتی بنیاد کو شامل نہیں کیا گیا ہے صرف اس کی طرف ضمناً اشارے اور مختصر وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نظام فکر کو سمجھنے

کے لئے ضروری مابعدالطبیعاتی پس منظر کو یہاں "محض" مان لیا گیا ہے اور اس کی طرف جہاں ضرورت سمجھی گئی ہے اشارے کردیئے گئے ہیں۔ البتہ ان کے مابعدالطبیعاتی تصورات کی اہمیت پران کے نظام فکر کی روشنی میں بحث نہیں کی گئی ہے۔

یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ اس مقالہ میں شاہ ولی اللہ کے اخلاقیات کی محض ایک شاخ یعنی اخلاقیات عامہ سے زیادہ تعلق ہے جہاں تک کہ اعلیٰ اخلاقیات کا تعلق ہے کوئی تفصیلی تبصرہ نہیں کیا گیا ہے یہ جزوی طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ابہام کو ترک کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اعلیٰ اخلاقیات کو عام اخلاقیات سے الگ کیا جائے یہ شاہ ولی اللہ کے اس نظریئے کے مطابق ہی ہے کہ اخلاقیات کی دو شاخیں جداگانہ ہوتی ہیں جیسا کہ دو شاخوں کو ملادینے سے بڑا ابہام پیدا ہوتا ہے۔ ایک سبب اور بھی ہے اور وہ یہ کہ شاہ ولی اللہ کے اعلیٰ اخلاقیات کا بیان نفسیات سے زیادہ تفصیلی بیان چاہتا ہے اور مابعدالطبیعات کی تعارفی ضرورت پیدا کرتا ہے، جس سے ان کے اخلاقیات کا بیان موجودہ حالت کی نسبت زیادہ مشکل ہوجاتا ہے

اب صرف یہ بات وضاحت چاہتی ہے کہ عام اخلاقیات سے ان کی تصانیف کا کیا مقصد ہے۔ عام اخلاقیات سے اخلاقیات عملی مراد ہے جو انسانیت کی عظیم تعداد کے لئے مفید ہے اور کسی بھی زمانے میں اصطلاحات کے عام ترقی یافتہ مفہوم کے مطابق ایک نیک آدمی اور اچھے شہری کے طرز عمل کے لئے ضروری ہے۔ دوسری طرف اعلیٰ اخلاقیات سے ہمارا مقصد ولایت اور اس سے بھی اعلیٰ مدارج سے ہے۔

اس طرح عملی دینیات سے وہ نظامِ عقائد مراد ہے جو انسانوں کی اکثریت کے لئے مفید اور قابل عمل ہو۔ خدا کے علم اور عرفان کا بیان، جو اعلیٰ ذہن والوں اور غیر معمولی انسانی افراد کو حاصل ہوتا ہے یہاں زیر بحث نہیں ہے اس طرح شاہ ولی اللہ کی خالص دینیات کے مسائل جو روایتی دینیاتی علم الکلام سے بالکل مختلف ہیں اور مابعدالطبیعاتی امور پر بحثیں جہاں تک ممکن ہوا ہے ترک کردی گئی ہیں ان کے دینیات کو شامل کرنے کا خاص مقصد یہ ہے کہ ان خصوصیات کو واضح کیا جائے جن سے ان کے نظام کا دوسرے روایتی اسلامی نظاموں سے نہ صرف اخلاقیات میں بلکہ دینیات میں بھی امتیاز واضح کیا جاسکے۔

یہ مقالہ مصنف کے شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے تنقیدی مطالعہ کا نتیجہ ہے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے یہ مقالہ شاہ ولی اللہ کے تمام نظام فکر کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ مصنف شاہ ولی اللہ کی تمام تحریروں کے وسیع دائرے کے مطالعہ سے مرتب کر سکا ہے۔

جہاں تک کہ اخلاقیات اور دینیات کے اصولوں کا تعلق ہے زیادہ مواد شاہ ولی اللہ کی دو اہم تصانیف "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "البدور البازغۃ" میں مل جاتا ہے۔ حالانکہ ان موضوعات پر کافی مواد ان کی دوسری تصانیف میں بھی ملتا ہے البتہ اس مقالہ کو ان دو متذکرہ کتب کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ حالانکہ جہاں ضرورت سمجھی گئی ہے وہاں دوسری تحریروں سے بھی مواد حاصل کر لیا گیا ہے۔

اس تصنیف کا لازمی مقصد یہ ہے اور جیسا کہ ظاہر ہوگا کہ بالخصوص شاہ ولی اللہ کے اعلیٰ اخلاقیات اور فلسفہ مذہب کے آیندہ مطالعہ کے لئے اور بالعموم ان کے نظام فکر کے لئے زمین ہموار کی جا سکے ایک مصنف کے تصورات کے تبصرے میں طبع زاد فکر کی توقع نہیں کی جا سکتی جیسا کہ اس کی تحریروں اور وضاحتوں میں ہونا چاہیئے مصنف نے اپنی تصانیف میں کوشش کی ہے کہ اپنے خیالات کی ترجمانی اور پیش کش ایسی زبان اور ایسے عام فہم انداز میں کرے جو جدید ذہن کے لئے موزوں ہو۔ شاہ ولی اللہ کے نظریہ کا مخرج جو ان کی تصانیف میں ہے اسے ضروری اشاروں کے ساتھ حاشیے میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ضرورت سے زیادہ تفصیلی بیانات سے احتراز کرنے کے پیش نظر متعلقہ سلسلہ کے تصورات، حاشیوں میں شامل کر دیئے گئے ہیں اور چند ایسی اہم تفصیلات جن کو حاشیوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا تھا ہر باب کے آخر میں ضمیمہ کی صورت میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی ان کتابوں کے نام جن کا مطالعہ کیا گیا ہے اور جن میں سے زیادہ تر مواد لیا گیا ہے، حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول اور دوم قاہرہ ۱۳۵۲ھ

۲۔ البدور البازغۃ، مجلس علمی، ڈابھیل (سورت ہند) اشاعت نمبر ۷، ۱۳۵۴ھ

۳۔ تفہیمات الالٰہیہ، جلد اول اور دوم مجلس علمی ڈابھیل (سورت)، اشاعت نمبر ۱۸، ۱۳۵۵ھ

۴۔ الخیر الکثیر مجلس علمی، ڈابھیل (سورت)، اشاعت نمبر ۱۶ سنہ ۱۳۵۲ھ

۵۔ ازالۃ الخفا، جلد اول اور دوم، بریلی (ہند) سنہ ۱۲۸۶ھ مطابق سنہ ۱۸۶۹ء

۶۔ سطعات، بیت الحکمت، کھڈہ (کراچی)، اشاعت

۷۔ ہمعات، بیت الحکمت، لاہور اشاعت سنہ ۱۹۴۷ء

۸۔ الطاف القدس، دہلی سنہ ۱۳۰۵ھ مطابق سنہ ۱۸۸۸ء ای اڈورڈس، فارسی کتب اشاعت برٹش میوزیم۔

۹۔ القول الجمیل، ولی اللہ اکیڈمی، اشاعت، لاہور

۱۰۔ ہوامع، مجتبائی اشاعت دہلی سنہ ۱۳۵۰ھ

۱۱۔ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" جنرل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۱۲ء (انڈین انسٹی ٹیوٹ آکسفورڈ)

۱۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید"

۱۳۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف" قاہرہ سنہ ۱۳۲۷ھ مطابق سنہ ۱۹۰۹ء (گمر لیفنٹو انسٹی ٹیوٹ الیشمولین لائبریری آکسفورڈ)

۱۴۔ الفوز الکبیر احمدی پریس، ہگلی (کلکتہ) سنہ ۱۲۴۹ھ مطابق سنہ ۱۸۳۳ء

۱۵۔ انفاس العارفین، احمدی پرنٹنگ پریس، دہلی سنہ ۱۳۱۵ھ مطابق سنہ ۱۸۹۷ء

۱۶۔ رسالہ دانشمندی"

۱۷۔ وصیت نامہ، نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ مطابق سنہ ۱۸۷۴ء ادبری کیٹ آف پرشین بکس، انڈیا آفس لائبریری، لندن۔